اور پھر فون آگیا.. جس میں اپنائیت کا رچاؤ تھا..

"کیا تمہارے پاس کچھ وقت ہے؟"

"آل دے ٹائم ان دے ورلڈ..."

اس کی آواز سنتے ہوئے ایک بچگانہ مسرت سے دوچار ہوتا تھا.. اسے بہت وسوسے تھے کہ وہ دوبارہ فون نہیں کرے گی..

"کیا ہم مل سکتے ہیں؟"

"ہاں.. لیکن.."

"میرا رویہ ایسا تھا کہ تم شکایت کر سکتے ہو.. لیکن میں بس ایسی ہی ہوں.. اور تم سے ملنا چاہتی ہوں.."

"مجھے آج سہ پہر کراچی جانا ہے..."

اس نے فوراً فیصلہ کیا کہ نہیں.. عابدہ سومرو کے لئے وہ اب کچھ نہیں کر سکتا.. سلطانہ کو دیکھنے کی ہوس اتنی شدید تھی کہ وہ ہر اخلاقی قدر کو پامال کر سکتا تھا..

"بہت ضروری ہے؟"

"ہاں.. زندگی اور موت کا مسئلہ ہے.. لیکن.."

"آج سہ پہر؟.. کیا یہ ممکن ہے کہ تم.. آپ.. ابھی کچھ دیر کے لئے اسلام آباد آ جائیں.."

وہ "تم" اور "آپ" کے درمیان بھٹکتی رہتی تھی۔

اس کی کیا توجیہہ ہے کہ ایک عورت گفتگو کے دوران "آپ" سے مخاطب ہوتی ہے پھر یکدم "تم" کہتی ہے اور پھر سے "آپ" کی جانب لوٹ آتی ہے.. یہ کچھ لہریں تھیں اس کے اندر جو کنارے کی آخری حدوں تک پہنچ کر اس کی قربت سے چھوتی تھیں تو وہ "تم" ہو جاتا تھا اور جب وہی لہریں سمٹ کر دور ہونے لگتی تھیں تو پھر "آپ" آ جاتا تھا..

"ہاں.. ڈاکٹر ہاشم اگر معترض نہ ہوں تو..."

وہ اس شب کے بعد جب اسے یکدم ڈاکٹر ہاشم کے ہونے کی اطلاع دی گئی تھی، وہ اس انجانے ڈاکٹر کے لئے بغض اور کینہ پال رہا تھا.. وہ جو بھی تھا.. اس کی نسبت کہیں زیادہ کم

عمر.. ہینڈسم اور مردانگی کی قوت سے بھرا ہوا تھا.. اور سلطانہ کا حقدار تھا.. لیکن خاور کے اندر بھی جو دوسرا وجود تھا وہ اس ڈاکٹر ہاشم کے ہم پلہ.. اتنا ہی کم عمر' ہینڈسم اور مردانگی کی قوت سے بھرپور تھا.. بے شک حقائق اس کے برعکس تھے.. لیکن ان دنوں.. ایک نسوانی تثلیث کی زد میں.. قربت مرگ میں.. تمام حقائق جھٹلائے جا رہے تھے..

فون پر اس کی آنکھوں کی مدھم ہنسی اس کے کانوں تک آئی جو کہتی تھی.. "یو سلی اولڈ مین"

غار کی انتہاہ تاریکی اور گہرائی میں سے... اس میں مقیم چمگادڑوں کی پھڑ پھڑاہٹ اور ان کی چیں چیں کرتی آوازیں ایک ہلکی گونج کے ساتھ باہر آتی تھیں اور ان کے ہمراہ ایک سرد ہوا سفر کرتی آتی تھی جو ان دونوں کی پشتوں سے ٹکراتی ریڑھ کی ہڈیوں کو ٹھنڈا کرتی اس بلندی سے نیچے اتر جاتی تھی۔

پیلی دھوپ کے سنہرے پن میں آئی ہوئی لمبی جنگلی گھاس بھی سنہری ہوتی تھی اور پہاڑیوں پر جہاں جہاں چھاؤں تھی وہاں ڈھلوانوں پر وہی گھاس گہرے سبز رنگ میں ڈھلتی سرسراتی تھی.. نامعلوم سی ہوا کی موج کی زد میں آکر وہ دوہری ہوتی تھی.. چھاؤں بے آواز رینگتی ہوئی دھوپ کی روشن اور زرد ملکیت میں داخل ہوتی تو سنہری گھاس سائے میں آکر سیاہی مائل ہو جاتی.. اور بہت نیچے.. بھوری' سنہری اور سیاہی مائل گھاس کی ڈھلوانوں سے کہیں نیچے مہرا مرادو کی خانقاہ کے کھنڈر روپوش تھے.. اور ان کی روپوشی سے پرے.. خان پور جانے والی سڑک درختوں کی ایک سبز غار کے اندر تھی اور اس کے آگے مالٹوں کے باغ تھے۔ ہریاول کا ایک طویل میدان تھا جس میں کہیں کہیں گھر اور گاؤں تھے اور ان کے آخر میں سردیوں کی ہلکی دھند میں پہاڑیوں کا ایک سلسلہ تھا.. تاحد نظر وہی منظر تھا جو جولیاں کے کھنڈروں سے نظر کے سامنے آتا تھا اس لئے کہ یہ دونوں بدھ خانقاہیں متوازی پہاڑیوں میں واقع تھیں.. جولیاں پہاڑی کی چوٹی پر تھی اور مہرا مرادو پہاڑیوں کے دامن میں چھپی ہوئی تھی۔

صرف چمگادڑوں کی پھڑ پھڑاہٹ کانوں میں آتی تھی یا ہوا تھی.. جو گھاس پر سرسراتی چلتی تھی تو وہ دوہری ہوتی تھی... یا پھر اس بلند مقام پر... غار کے دہانے پر ایک

سناٹے اور تنہائی کی موجودگی تھی جو سنائی دیتی تھی۔۔

اور کبھی ایک طویل وقفے کے بعد کسی ڈھلوان کی گھاس میں نظر نہ آتے کسی ڈھور ڈنگر کے گلے میں بندھی گھنٹی کا ارتعاش۔۔ ٹنن ٹنن۔۔ سندھ کے کناروں پر اترنے والے مویشیوں کے ترنم آویز گھنٹیوں کے بلاوے کی طرح۔۔ ڈھلوانوں پر سفر کرتے ان کے کانوں میں آتا اور پھر ان کی گونج مٹتے ہی پھر سے سناٹے کی حکمرانی ہو جاتی۔۔

وہ ایسی بلندی پر تھے کہ ٹیکسلا سے خان پور جاتی ہوئی سڑک پر۔۔۔ درختوں کی سبز غار میں چھپی ہوئی سڑک پر ٹریفک کا جو شور تھا وہ ان تک پہنچتے پہنچتے دم توڑ جاتا تھا۔

اور وہ اس کی زد سے باہر۔۔ چمگادڑوں کی سیاہ کلبلاہٹ سے بھری اتھاہ تاریکی میں اتری ہوئی غار کے دہانے پر بیٹھے۔۔ کنکروں اور سخت گھاس پر براجمان آلتی پالتی مارے ہوئے بیٹھے تھے اور سامنے پھیلے منظر کو تکتے تھے۔۔ ان بدھ بھکشوؤں کی طرح جنہیں یہی تاکشیلا۔۔ یہی مقامات اور یہی وادی امن آشتی اور نروان عطا کرتی تھی۔۔ اسی لئے انہوں نے اس کی ڈھلوانوں پر اپنی مقدس ترین خانقاہیں' عبادت گاہیں اور درس گاہیں تعمیر کیں۔۔ انہیں بھی یہی وہم تھا کہ اُن کا عقیدہ بھی تا ابد ہے۔۔ یہ خانقاہیں اور سٹوپاز ہمیشہ ہمیشہ قائم رہیں گے۔ اور اُن کی جگہ کوئی اور نیا عقیدہ' نیا معبد نہیں آئے گا۔۔ ہر نسل اسی وہم کا شکار ہوتی ہے۔۔ اس کی اسیر ہوتی ہے اور اس زمین کو صرف اپنے مذہب اور روایت کی قیدی سمجھتی ہے۔۔ جب کہ زمین پابند نہیں ہوتی۔۔ وقت اور زمانے کے تغیر اس پر رونما ہونے والے عقیدے اور عبادت گاہیں بدلتے رہتے ہیں۔۔ ان عبادت گزاروں کو یہاں سے رخصت ہوئے ہزاروں برس گزر چکے تھے۔۔ اور جو آج کے عبادت گزار تھے انہیں بھی کبھی۔۔ یہاں سے رخصت ہوئے ہزاروں برس گزر جائیں گے۔۔ لیکن لمحۂ موجود میں وہ ابھی ایک وہم میں ہیں۔

ایک پر پھیلاتی چمگادڑ غار کے اندر سے نمودار ہوئی اور ایک بڑی سیاہ پتنگ کی مانند ان کے سروں پر سے ڈولتی ہوئی گزر گئی۔۔ سلطانہ خوفزدہ ہو کر جھکی کہ اس نے چمگادڑ کی پھڑ پھڑاہٹ کو اپنے باب کٹ بالوں پر محسوس کیا تھا۔۔

"تم ہمیشہ مجھے عجیب و غریب وہم انگیز جگہوں پر لے آتے ہو"

"یہ ان چمگادڑوں کی طرح میری آماجگاہیں ہیں۔۔ میرے خفیہ ٹھکانے ہیں۔۔"

"اور آپ ایک خاص منصوبے کے تحت اپنی فرینڈز کو ان خفیہ ٹھکانوں پر لاتے

ہیں اور وہ ان کے سیاہ سحر میں مبتلا ہو کر آپ کے قریب ہو جاتی ہیں؟"

"نہیں.. تم پہلی عورت ہو جس کے ساتھ میں یہاں آیا ہوں.."

"آپ مجھے ساتھ لے کر آئے ہیں.. میں آپ کے ساتھ نہیں آئی.."

"درست..."

"اس روز ہم جولیاں کے کھنڈروں میں گئے تھے.. یہیں کہیں.. اور آج.. تمہیں اس علاقے سے کوئی خاص رغبت ہے؟"

"پہلے تو نہیں تھی.. پھر غروب کی کرنوں کی نزدیکی میں اور تنہائی میں چونکہ انسان خود کھنڈر ہو رہا ہوتا ہے... عناصر میں مل جانے کا وقت قریب آنے لگتا ہے تو اسے کھنڈر ہی اچھے لگتے ہیں.."

"اور چمگادڑیں.." وہ ہنسنے لگی..

"ہاں چمگادڑیں اور چڑیلیں بھی..." خاور کے لبوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی..

اسے احساس ہوا کہ منظر کا پھیلاؤ' بلندی اور گھاس کی سرسراہٹ اور تنہائی اس پر غالب آگئی تھی اور کچھ دیر کے لئے وہ سلطانہ کے وجود سے غافل ہو گیا تھا۔

سرد دن کی دھوپ میں.. خاور نے اسے دیکھا تو جیسے پہلی بار اسے ننگی آنکھ سے دیکھ رہا تھا.. کلوزاپ میں اس کے چہرے کو ایک بڑی سکرین پر دیکھ رہا تھا... کانوں کو روپوش کرتے کندھوں سے ذرا اوپر جھولتے نیم سنہری بال جن میں کہیں کہیں سفیدی کی لکیریں تھیں اور بھلی لگتی تھیں' ان کے نیچے رخساروں پر روئیں تھے جو دھوپ میں الگ الگ اور سنہری ہوتے تھے.. جیسے سونے کی کومل کونپلیں مساموں میں سے پھوٹ رہی ہوں اور وہ ہوا کے ہر جھونکے سے نہایت خفیف سے حرکت کرتے تھے.. گہرے براؤن رنگ کی لپ سٹک کے نیچے ہونٹوں کے جو مسام تھے وہ بھی زندہ اور بولتے تھے.. جدا جدا دکھائی دیتے تھے اور آنکھوں میں جو کانچ ایسی نیلاہٹ تھی وہ سیال لگتی تھی۔ جیسے ابھی بہنے لگے گی اور اس کے رخساروں پر نیلی دھاریاں بناتی گردن کے راستے اس کے سینے پر پھیل کر اسے بھی نیلا کر دے گی۔ وہ اسے ایسے نظر آ رہی تھی جیسے وہ ایک مائیکروسکوپ پر جھک کر اسے دیکھ رہا ہو.. ہر مسام اور ہر روئیں کی تفصیل واضح اور دلکش تھی..

اُس پر سے نظریں ہٹا کر خاور نے نیچے پھیلے ہوئے منظر کو دیکھا تو بھی اس کا چہرہ

ساتھ چلا آیا اور اور منظر کے سامنے حائل ہو گیا.. وہ آنکھیں جھپکے بغیر ایک فاتر العقل شخص کی مانند ہو رہا تھا جو شیشے کے ٹکڑے کی تیز دھار سے اپنی کلائیاں چھیلتا رہتا ہے' گردن پر اس شیشے کو ایک آری کی طرح چلاتا ہے اس میں سے خون نکالتا ہے اور اسے کوئی اذیت نہیں ہوتی' درد نہیں ہوتا صرف خون نکلتا ہے تو وہ حیران ہو جاتا ہے کہ یہ کہاں سے آ گیا.. وہ ایسی ایک بے حس محویت سے اپنی آنکھوں اور منظر کے درمیان حائل چہرے کو تکتا جا رہا تھا.. یہ چہرہ کہاں سے آ گیا.. اس کے روئیں اور مسام چومنے کی چاہت اس میں سرکشی کرتی تھی..

"ہیلو.."

سلطانہ کی انگلیاں اس کی آنکھوں کے سامنے آئیں۔

"کیا تم ابھی تک یہاں ہو؟... کہاں ہو؟"

"تم وہاں بھی ہو" اس نے ہاتھ سے ڈھلوان کے پار کی وسعت کی طرف اشارہ کیا اور پھر منہ موڑ کر اسے دیکھا۔ "اور یہاں بھی... میں کہیں نہیں ہوں۔"

ایک مقامی چرواہا اپنے مویشیوں کو ہانکتا بلند گھاس میں سے نمودار ہوا..

اس نے سر اٹھا کر انہیں غار کے دہانے پر براجمان دیکھا اور شک سے دیکھا کہ یہ شہر کے لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں.. پھر شاید اس نے ان کی عمروں کے تفاوت کو دیکھا اور مطمئن ہو کر سر جھکا لیا اور اپنے مویشی ہانکتا نیچے چلا گیا..

وہ ایک طویل مدت کے بعد یہاں آیا تھا..

مہرہ مرادو کی خانقاہ سے بلند ایک ڈھلوان کی اوٹ میں پوشیدہ یہ غار اور اس کا دہانہ داؤد کی دریافت تھی.. وہ ہمیشہ انجانے' بھید بھرے اور الگ تھلگ ٹھکانے تلاش کرتا اور اسے بھی اپنے ساتھ گھسیٹتا ہوا لے جاتا کہ وہ بہت چست' ایک بھیڑیے کی مانند صحت مند اور غراتا ہوا پھرتیلا تھا.. یہ ایسے ٹھکانے ہوتے جن کی خبر بہت کم لوگوں کو ہوتی.. نور پور کے اوپر برازیل کے بارشوں والے جنگلوں ایسی ایک خفیہ آبشار.. پیر سوہاوہ سے کہیں آگے وہ ویران ریسٹ ہاؤس جہاں راتوں کو معدوم ہو جانے والی نسلوں کے آخری پرندے بولتے تھے.. اورنگ زیب کے زمانے کا ایک کنواں اور اسی عہد کی چرخڑی.. سون ندی کے کنارے وہ ذخیرہ جو سانپوں سے اٹا پڑا تھا اور سپیروں کی مرغوب شکار گاہ تھی.. اس کے برابر میں ہائی وے کا وہ حصہ جہاں سردیوں کی یخ راتوں میں ٹھٹھرتے ہوئے سانپ رینگتے ہوئے آتے تھے تاکہ

تارکول میں جذب دن کی دھوپ کی ہلکی حدت جو رات ہونے پر اس میں موجود ہوتی تھی' اس پر لوٹ سکیں اور پھر ٹریفک سے کچلے جاتے تھے.. اور پھر یہ غار.. اس کے الگ ہی ٹھکانے تھے..

پہلی بار وہ اسے زبردستی یہاں لایا تھا..

خانپور جانے والی روڈ سے الگ ہو کر ناہموار اچھلتے کودتے کچے اور سنگدل راستے پر کار ڈال کر.. کسی غیر ملکی کے تعمیر کردہ گنبد نما گھر کے پھاٹک سے گزرتے.. اور اس کے بارے میں مقامی لوگوں کا کہنا تھا کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے اور اس کی تہہ خانے میں مذہبی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ ہے جسے وہ پڑھتا رہتا ہے اور شاید ہی اپنے گھر سے باہر آتا ہے یا کسی سے میل ملاپ کرتا ہے.. وہ ایک ندی کی قربت میں پہنچے تھے جہاں داؤد نے کار پارک کر دی تھی... مہرہ مرادو کی عبادت گاہ کے کھنڈروں کا رکھوالا بابا طفیل بخش اس کا پرانا بیلی تھا.. داؤد کی شخصیت ہی ایسی تھی کہ وہ پہلی ملاقات پر ہی دوسرے شخص کو اپنا گرویدہ بنا لیتا تھا' پرانا بیلی بنا لیتا تھا۔ بابا طفیل بخش نے انہیں پہلے تو ان آثار کے بارے میں ایک راہنما لیکچر دیا... کچھ شکستہ مجسمے اور ستون دکھائے.. خانقاہ کی کوٹھڑیاں دکھائیں اور پھر ان کھنڈروں کے اوپر اس کی رہائش میں جو کچی کوٹھڑی تھی اس کی چوکھٹ کے برابر میں اینٹوں پر رکھے گھڑے میں سے پانی پلایا جو خنک اور شیریں تھا اور پھر کہا "صاحب آپ تو غار پر جانے کے لئے آتے ہو.. تم چلو.. میں کھانا بنا کر لے آؤں گا۔"

کھنڈروں سے غار تک کی چڑھائی جان لیوا تھی.. لیکن داؤد ایک بکری کی پھرتی اور ایک بھیڑیئے کی صحت مندی کے ساتھ جستیں بھرتا آگے آگے چلا جا رہا تھا اور خاور ہر دوسرے پتھر کو تھام کر.. اگرچہ یہ برسوں پہلے کا قصہ تھا.. تب بھی وہ اپنے سانس کو ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جانے کے خوف سے اسے بچانے کے لئے ہونکتا ہوا کھڑا ہو جاتا تھا۔

غار تک پہنچ کر وہ اس کے دہانے کے آگے بیٹھ گئے اور سامنے کے منظر کی سرکشی نے ان کی آنکھوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور وہ صرف ان کے لئے ہو گیا۔

داؤد نے پیپر کپس میں اپنے لئے اور اس کے لئے کچھ پینے کے لئے انڈیلا اور وہ باتیں کرنے لگے..

یہ کوئی اور سیارہ کوئی اور کائنات تھی جس میں وہ تنہا سفر کرنے لگے.. آس پاس

سے کہکشائیں اور اجنبی دنیائیں اور بلیک ہول گزرتے جاتے تھے مگر وہ تنہا تھے..

"تم کبھی اس غار کے اندر بھی گئے ہو؟" اس نے پوچھا تھا..

"ہاں یار.." وہ ایک لگڑ بگڑ کی طرح بے پناہ ہنسنے لگا اور اس کی ہنسی سے بہت دور چرتے مویشی بھی تھوتھنیاں اٹھا کر دیکھنے لگے کہ یہ ہولناک آواز کہاں سے آئی ہے اور ہراساں ہو گئے۔ سرسراتی ہوئی گھاس بھی لمحہ بھر کے لئے ساکت اور دم بخود ہو گئی۔ "ہاں یار.. میں نے تحقیق کی ہے.. ادھر کے لوگ کہتے ہیں کہ یہ غار اندر ہی اندر مرگلہ کی پہاڑیوں تک جاتا ہے اور ہزاروں سال پہلے گوتم کے جو چیلے ہوتے تھے وہ مشعلیں جلا کر اس کی تاریکی کے اندر اترتے تھے اور پھر سفر کرتے ہوئے کسی مقام پر ٹھہر جاتے تھے اور گیان دھیان میں گم ہو جاتے تھے.. میں ایک بار اس غار کے اندر بہت دور تک گیا تھا کہ شاید وہ بھکشوا بھی تک گیان دھیان میں فنا ہوں اور انہیں علم ہی نہ ہو کہ باہر ہزاروں برس بیت چکے ہیں اور میں ان میں سے کسی ایک بدھ بھکشو سے پوچھوں کے بابا لوگ ہمیں تو سمجھ نہیں آئی.. ہم تو فکریں مار مار کر ہلکان ہو گئے ہیں لیکن کچھ پتا نہیں چلا تو.. تم ہی بتا دو کہ اس زندگی کا مقصد کیا ہے.. وہ نہ ملیں تو ان کے ڈھانچوں سے ہی پوچھ لوں.. لیکن خاور جونہی میں غار کے اندر داخل ہوا اور باہر سے آنے والی روشنی مدھم ہو کر یکدم گھپ اندھیرے میں بدلی ہے تو میں گھبرا گیا.. چمگادڑوں کے بسیرے اور ان کی پھڑ پھڑاہٹ سے نہیں.. بلکہ موت ایسے اندھیرے سے... یار موت سے بڑا ڈر لگتا ہے.."

شام ہوئی تو بابا طفیل بخش ہانپتا ہوا ایک کچی ہانڈی اور دستر خوان میں بندھی روٹیاں اٹھائے اوپر آتا دکھائی دیا.. وہ دونوں کھانے کے بعد نیم تاریکی میں بھٹکتے نیچے آئے اور دنیا کے پر شور عذاب میں داخل ہو گئے..

خاور ایک طویل مدت کے بعد یہاں آیا تھا..

یہاں پہنچنے پر اس نے غار کے سامنے جو جھاڑیاں اور پتھر تھے انہیں جھک کر غور سے دیکھا تھا.. داؤد کے آثار تھے.. وہاں ابھی تک اگرچہ بچکے ہوئے اور بارشوں سے بوسیدہ وہ دونوں پیپر کپ موجود تھے.. وہ جو داؤد کا تھا اوندھا ہو کر گھاس میں اٹکا ہوا تھا.. اور اس پیپر کپ کے کناروں سے ابلتے ہوئے وہ اس کی ہنسی اور لاپرواہ پوری زندگی کو سن سکتا تھا..

پچھلے برس اس بھیڑیا بدن اور پھڑکتے ہوئے شخص کا دل بے وجہ بے جواز رک گیا

تھا اور اس پر جھکنے والے دوست نے دیکھا کہ جتنی دیر میں وہ تشویش سے ابھی مسکراتے اور سگریٹ کا آخری کش لگاتے داؤد کے چہرے تک گیا ہے تو اتنی دیر میں اس کی زندہ آنکھیں مردہ ہو گئیں..

اسی لئے وہ اتنی مدت کے بعد یہاں آیا تھا..

"تم کہیں تو ہو.."

سلطانہ کے لہجے میں گھبراہٹ تھی.. اس کی اتنی طویل خاموشی اسے خدشات میں مبتلا کر رہی تھی..

"میں یہیں ہوں.." اس نے سر جھک کر جواب دیا۔ "شاید میں عمر رفتہ کی غنودگی میں تھا۔ تم جانتی ہو کہ عمر کے ساتھ ساتھ انسان میں غنودگی اور مستی در آتی ہے.."

ایک اور سیاہ پتنگ چمگادڑ جھولتی ہوئی ان کے سروں پر سے گزر کر ایک نیم دائرے میں ڈولتی غار میں واپس چلی گئی..

"تم چمگادڑوں سے ملنا پسند کرو گی؟"

"نہیں.." اس نے سر جھٹکا اور اس کے بال دیر تک اس کی گردن پر ایک ایک کر کے گرتے رہے.. "تم ایک عجیب خصلت کے شخص ہو لیکن.. ہاں.. اگر تم میرا ہاتھ تھام لو تو.."

غار کے اندر پتھروں کے انبار اور سیلاہٹ تھی.. باہر جتنی بھی روشنی باقی تھی وہ بہت دور تک نہیں اترتی تھی مدھم ہو کر یکدم بجھ جاتی تھی اور آگے کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا.. آگے ایک سرد اندھیرا منہ کھولے ہوئے تھا.. ایک آہستگی ہوا کی تھی جو ان کے چہروں کو چھوتی ہوئی نکلتی تھی.. اور لاتعداد چمگادڑوں کی چیں چیں اور پروں کی سیاہ پھڑ پھڑاہٹ تھی.. نارنج کی روشنی بھی چند قدم جا کر دم توڑ دیتی تھی..

اس کا بدن ایسا تھا کہ مٹھی میں آسکتا تھا اور وہ اس کی مٹھی میں دھڑکتا تھا.. وہ اسے سہارا نہیں دے رہا تھا بلکہ وہ تھی جو اسے آسرا دے رہی تھی..

پہلی بار وہ اس غار کے اندر اترا تھا اور اس کے اندر بچپن کے سب بھوت پریت قہقہے لگاتے ہوئے پھر سے جنم لیتے تھے.. وہ خوفزدہ تھا لیکن اپنے خوف کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔

نارنج کی روشنی پتھروں میں پوشیدہ ایک آبی ذخیرے پر پڑی اور وہ رک گئے.. ایک تالاب سا تھا جس میں غار کی چھت میں سے برستے پانی ٹپ ٹپ گرتے تھے.. اور نارنج کی روشنی

میں تالاب کے پانی اتنے شفاف تھے کہ اس کی تہہ برہنہ لگتی تھی اور عجیب ہیئت اور رنگوں کے کیڑے مکوڑے اس میں تیرتے تھے۔ ان میں ایک چھوٹی سی سفید دودھیا سفید رنگت کی مچھلی تھی جس کی آنکھیں نہ تھیں اور وہ بے چینی سے اپنی نابینائی میں ادھر ادھر تیرتی تھی اور آس پاس جو کیڑے مکوڑے تھے ان کی.. ٹارچ کی لائٹ میں چند ھیا دینے والی سراسیمگی کو محسوس کرتی تھی..

"کیا یہی مرگ ہے؟" اس کے بازو میں پیوست سلطانہ چیخی ہوئی.. یک جان ہو کر.. اس کے مٹھی بھر بدن کی اور آنکھوں کی نیلاہٹ تھر تھراتی ہوئی اس سے پوچھتی تھی..

"میں نہیں جانتا.."

"میں تم سے مرگ کا بھید پوچھنے آئی تھی.. کیا یہی مرگ ہے؟ گھپ اندھیرا.. اور ایک تالاب میں تیرتی تنہا اندھی مچھلی.."

"میں نہیں جانتا.."

تالاب کی شفاف سطح پر مرکوز روشنی کے دائرے کو اٹھا کر اس نے سلطانہ کے چہرے کی جانب کیا.. اس کی آنکھیں بند تھیں جیسے وہ دیکھ نہ سکتی ہو"۔ "یہ میں ہوں.. آج میں نے اپنے آپ کو دیکھ لیا ہے.." وہ بہت دھیرج میں تھی.. اطمینان میں تھی اور بولتی جا رہی تھی.. "میں اسی طور نابینائی میں تیر رہی تھی.. اپنے تئیں سب کچھ دیکھتی تھی... اپنے قبیلے کو تیاگ کر دوسرے قبیلے کے رسم و رواج اپناتی تھی اور ویسے تو ہر کوئی ہنس سکتا تھا اور قہقہے لگا سکتا تھا.. جیسے میں لگاتی تھی.." اس نے یکدم آنکھیں کھول دیں اور ان کے مقابل ٹارچ کی گولائی کو روشن پایا تو حیران ہو گئی۔ "پلیز ٹارچ کو پرے کرو... واپس چلو.. میرا دم گھٹ رہا ہے۔"

غار کے دہانے سے باہر آتے ہی پہلے سانس نے ان کو اطمینان دیا کہ وہ زندہ ہیں.. غار کے گھپ اندھیروں کی مرگ سے بچ کر نکل آئے ہیں.. گھاس میں الگا ہوا بارشوں سے بوسیدہ اور پچکا ہوا پیپر کپ اگرچہ زندگی کی بے اعتباری کا شکوہ کرتا تھا..

بابا طفیل بخش اپنی ہانڈی اٹھائے دستر خوان سنبھالے اوپر آ رہا تھا..

کھانے کے بعد وہ تینوں ایک دوسرے کے ہاتھ تھامے نابیناؤں کی طرح بھٹکتے.. ٹھوکریں کھاتے نیچے کھنڈروں تک آئے کہ شام کے بعد رات کی تاریکی یکدم امڈ امڈ کر آئی

اور ہر سو چھا گئی۔ ٹھہرہ مرادو کی خانقاہ بھی ہزاروں برسوں کی ایک اور رات میں پنہاں تھی اور صرف بابا طفیل بخش کی لالٹین تھی جو اس کے شکستہ مجسموں.. دیواروں' کوٹھڑیوں اور خشک تالاب کو اندھیرے میں سے پل بھر کے لئے باہر لاتی تھی.. اور اس تالاب میں سفید رنگت کی کوئی اندھی مچھلی نہ تیرتی تھی..

"سٹوپا کی زیارت تو کریں گے ناں صاحب جی؟"

"ہاں..."

خانقاہ کے ایک کونے میں ٹین کا ایک سستا اور کھڑکھڑاتا دروازہ تھا جو مقفل تھا..

بابا طفیل بخش نے کُرتے کی لمبی جیب میں پورا ہاتھ ڈال کر ایک چابی نکال کر اس قفل میں متعدد بار گھمائی اور دروازہ وا کر دیا۔

"آؤ صاحب جی.."

ایک مختصر اور ناکافی کمرے کے اندر شاید دنیا بھر میں ابھی تک موجود.. ہزاروں برس کی شکست و ریخت کو سہنے کے باوجود ابھی تک مکمل حالت میں محفوظ چونے سے تخلیق کردہ ایک سات منزلہ سٹوپا اس ناکافی کمرے کی قید میں تھا.. وہ ایک ایسے سرو کی مانند اونچا ہوتا تھا جسے قید تنہائی میں ایک عرصہ ہو چکا ہو.. اس کی ساتوں منزلوں پر ابھرتے بدھ کی حیات کے ادوار.. بنیاد کو کندھوں پر سہارتے دیوتا.. مینڈک اور ہاتھی ابھی تک اپنی قدیم حالت میں.. موجود تھے..

سٹوپا اور کمرے کی دیواروں کے درمیان بس اتنی سی جگہ تھی کہ اس میں سے کندھوں کو ذرا ترچھا کر کے ہی گزرا جا سکتا تھا..

لالٹین کی روشنی صرف دو منزلوں تک جاتی تھی اور ان سے اوپر سات آسمانوں کی علامت منزلیں کمرے کی چھت کی نزدیکی میں اندھیرے میں گم تھیں..

بابا طفیل بخش لالٹین اپنے چہرے کے برابر کئے سٹوپے کی گولائی کے ساتھ ساتھ حرکت کرتا' ہر نشان' ہر ابھار اور دل کشی کو روشن کرتا اس کے گرد پھیرے لگانے لگا.. اور وہ دونوں پجاریوں کی مانند اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے.. گوتم کی حیات ہر پھیرے کے خاتمے پر اگلی منزل پر اٹھ جاتی.. ملکہ مایا تالاب کے کنارے بدھ کی پیدائش کے منظر سے آغاز ہوتا تھا اور اس کی موت کے بعد اس کی راکھ کو مختلف پیالوں میں محفوظ کر کے اونٹوں

اور ہاتھیوں پر لاد کر ملک بھر کی ریاستوں کو روانہ کیے جانے کے منظر تک...

ہر منزل کا پھیرا مکمل ہونے پر بابا طفیل بخش لالٹین کو اور اونچا کر کے اگلی منزل کو روشن کرتے چلنے لگتا..

"بابا..."

"جی صاحب.." وہ ایک تجربہ کار اور احتیاط پسند شخص تھا اس لئے ان پر نظر نہیں ڈالتا تھا' صرف لالٹین کی روشنی کی زد میں آنے والے چونے کی مجسموں کی طرف دیکھتا تھا۔

"آپ یہ لالٹین رکھ دیں... ہم ابھی آجائیں گے۔"

"جی صاحب.." ان کی جانب نگاہ کیے بغیر اس نے لالٹین زمین پر رکھی اور ٹین کا دروازہ اپنے پیچھے بند کر کے باہر چلا گیا۔

چونے کے گھیرے دار سات آسمان اس مختصر کمرے میں صرف ایک لالٹین کی روشنی میں ایک ایک کر کے اوپر ہوتے تاریکی میں جا رہے تھے..

"ہاں.. تمہیں عجیب وہم انگیز جگہوں پر آنے کا خبط تھا.." وہ ایک کونے میں سمٹ کر بیٹھ گئی.. جیسے ایک امریکی لڑکی ہی بے تکلفی سے بیٹھ سکتی ہے.. دیوار سے ٹیک لگائے گھٹنوں پر سر رکھے.. "کوئی اپنی ڈیٹ کو ایسے انہونے مقام پر بھی لا سکتا ہے' میرے گمان میں بھی نہ تھا.. اور یہ مقام مجھ پر اثر کرتا ہے.. میں نے بہت سے قبیلے بدلے ہیں اور اگر میں زیادہ دیر یہاں رہی تو مجھے پھر سے اپنا قبیلہ بدلنا ہوگا.. انسان اپنے عقیدے اور اس کی عبادت گاہوں کے ماحول میں ہی رہے تو محفوظ رہتا ہے.. ذرا اس سے باہر نکلے تو شک جڑیں پھیلانے لگتا ہے کہ کیا پتا یہ سچ ہو.."

لالٹین میں تیل کم ہو رہا تھا.. بتی پھڑ پھڑاتی اور یکدم جل اٹھتی.. وہ اس کے برابر میں جا بیٹھا۔

مہاتما بدھ... کنول آسن میں.. گیا کے جنگلوں میں.. اگلی ٹانگوں پر جھکے اپنے گھوڑے کنتھکا سے رخصت ہوتے ہوئے.. مست ہاتھی کو رام کرتے.. اندر سالا غار میں بلاوس اور آفتوں سے نبرد آزما ہوتے ہوئے.. ایک بھاری پایوں کے پلنگ پر مردہ حالت میں اور گنجے بھکشو بین کرتے.. اور ان کی چتا کے شعلے... سب کے سب لالٹین کی پھڑ پھڑاتی روشنی میں.. اندھیرے میں اوجھل ہوتے اور یکدم روشن ہوتے.. زندہ ہوتے.. حرکت میں آجاتے..

"کیا پتا یہی سچ ہو.. لیکن.. اس کے سوا ایک سچ ہے... جس کا مجھے پتا ہے.. اور میں کہنا چاہتی ہوں۔" سلطانہ کے ہاتھ نے اس کے جھریوں بھرے ہاتھ کو تلاش کیا اور اپنے لمس سے اسے رام کیا۔ "تم نے کل صبح کراچی جانا ہے... اور مجھے بھی کل شام اپنی کینیڈین این جی او کی جانب سے ایک ماہ کے لئے سری لنکا کے لئے روانہ ہونا ہے... ایک انٹرنیشنل ریسرچ پروجیکٹ ہے اس میں شریک ہونے کے لئے.. اسی لئے میں آپ سے آج ہی ملنا چاہتی تھی..."

"آئی ہوپ یو وِل انجائے یور سیلف..."

"پلیز مجھے درمیان میں مت ٹوکو ورنہ میں... میں بھٹک جاؤں گی' کہہ نہ سکوں گی.. اگر میں نے اُس رات تمہیں یہ کہا تھا کہ اگر تم دائیں ہاتھ پر ناظم الدین روڈ پر مڑنے کی بجائے سیدھے چلے جاؤ تو میں تمہارے ساتھ چلی جاؤں گی.. تو یہ سچ تھا.. اس ایک لمحے میں جو میری سوچ اور بدن سے ماورا کہیں سے یکدم اترا تھا' میں اتنی ہی سنجیدہ تھی جتنی کہ میں اپنے باپ کی بیٹی ہوں.. اگرچہ کار سے اترتے ہی میں نے اپنے آپ کو لعن طعن کی تھی.. تشویش اور شرمندگی میں مبتلا ہو گئی تھی کہ یہ میں نے کیا کہہ دیا تھا لیکن.. اس لمحے کا سچ وہی تھا.."

"مجھے شبہ ہوا تھا کہ تم کوئی منصوبہ ساز بری عورت ہو.."

"کوئی بھی مرد یہی سوچے گا.. اسی لئے میں شرمندہ تھی.. اظہار کے سینکڑوں اور طریقے ہیں.. لیکن اسی صورت میں جب سوچ سمجھ کر اپنی کیفیت کا بیان ہو... میں نے وہ نہیں سوچا تھا جو میں نے تم سے کہا.. وہ لمحہ مجھ پر ایک ناگہانی آفت کی مانند ٹوٹ پڑا تھا.. اور وہی سچ تھا.."

سلطانہ سمٹی ہوئی اس کے ساتھ آ لگی.. اس کے اندر سمٹتی گئی..

سنوپا کے اس حصے پر جہاں مہاتما کو گیان حاصل ہوا تھا' روشنی یکدم بڑھ گئی۔

"تم مجھے کبھی اپنے گھر لے کر نہیں گئے... جہاں تم رہتے ہو.. سوتے ہو.. جاگتے ہو.. دانتوں کو برش کرتے ہو.. صبح کا پہلا سگریٹ پیتے ہو.. وہ تحریریں لکھتے ہو جن میں مرگ ہوتی ہے جو مجھے تمہارے پاس لے آئی ہے..."

"وہاں.. کچھ بھی نہیں ہے.."

"کیا میں وہاں ہو سکتی ہوں؟"

پھڑ پھڑاتی اور بجھنے والی لالٹین کی روشنائی میں بھی اس کے گالوں کے روئیں اور ہونٹوں کے مسام ایسے دکھائی دے رہے تھے جیسے تیز دھوپ میں ہوں۔

"سری لنکا سے واپسی پر..." وہ ہاتھ بڑھا کر چونے کے اس مجسمے پر انگلیاں پھیرنے لگی جو بدھ کے نروان کی شانتی کی شعاعوں میں تھا۔ "پلیز ابھی مجھے ٹوکنا نہیں... ورنہ میں بھٹک جاؤں گی.. سری لنکا سے واپسی پر میں.. ڈاکٹر ہاشم سے معذرت کر سکتی ہوں اگر آپ..."

اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا..

بہت دیر بعد وہ اس فقرے کی شدت اور یک لخت آمد کے ٹکراؤ سے باہر آیا..

سلطانہ کی خانہ بدوش نیلگوں آنکھوں کی ہمزاد دو نیلی بناوٹیں جیسے اس کے چہرے سے الگ ہو کر چونے کی سفیدی میں ابھرے ہوئے مجسموں کے گرد طواف کرتی انہیں اپنے رنگ میں بھگونے لگیں... بھڑکتی روشنی بھی نیلاہٹ میں رنگنے لگی..

"میں تو..." ایک پیدائشی طور لکنت زدہ بچے کی طرح خاور عجز اور حیرت سے لڑکھڑانے لگا.. ایک کند ذہن طالب علم کی مانند گھبرا گیا.. "میں تو... آئی ایم سکسٹی... ایک عمر رسیدہ شخص ہوں... قربت مرگ میں ہوں.. تو.."

"اور میں قربت محبت میں ہوں.. میں اپنے ماضی کے تجربوں کو آواز نہیں دینا چاہتی کیونکہ بہت شور ہوگا.. بازگشت ایسی ہوگی کہ کان بہرے ہو جائیں گے... بے شمار قصے واپس آئیں گے اور ان میں سے کچھ میں تمہیں سنا بھی چکی ہوں.. میں نے بہت آوارہ گردی کی ہے لیکن میں تمہارے مقام پر ٹھہر جانا چاہتی ہوں.. میرے لئے نہ مرگ وجود رکھتی ہے اور نہ تمہاری عمر..."

"اور نہ اس ہاتھ پر ابھرتی جھریوں کا نیم مردہ جھرمٹ..."

"نہیں... وہ مجھے اب دکھائی نہیں دیتے.. یہ درست ہے کہ جرابوں اور راونی ٹوپیوں والے کاؤنٹر سے ہٹ کر کورڈمارکیٹ کے اندر جب میں نے آپ کو دیکھا تھا تو مجھے یہ سب کچھ نظر آیا تھا جو بیتے برسوں نے تمہارے چہرے پر چھوڑا تھا.. یہ درست.. تمہاری عمر تمہارے سراپے پر درج تھی.. لیکن مرگلا پہاڑیوں میں جو شام ہوئی تھی اور پھر رات اتری

تھی اور سپر مارکیٹ کے چوک سے مڑتے ہوئے.. تب تک.. وہ سب کچھ.. معدوم ہو گیا تھا اور تم صرف ایک شخص تھے.. جس کی رفاقت میں زندگی میں پہلی بار.. میں خوش تھی.. اطمینان میں تھی.. جیسے میں اپنے باپ کی رفاقت میں ہوا کرتی تھی.."

اوپر.. مختصر کمرے کی چھت تک.. سات آسمان تھے.. سات سُر تھے.. سات رنگ اور ساتھ کیفیتیں تھیں اور سلطانہ مہاتما کے نروان کو اپنی انگلیوں میں جذب کرتی بولتی تھی۔

"سنو... نہ اس ہاتھ پر ابھرتی جھریوں کا جال.. اور نہ تمہارا زوال... اور نہ تمہارے رخساروں کا ماس جو ڈھیلا ہوتا ہے اور نہ وہ سانس جو اکھڑتا ہے اور نہ ہی وہ آنکھیں جو بے دم ہوتی ہیں... ان کی میرے لئے کوئی حیثیت نہیں ...ہاں یہ تو ممکن ہے اور تمہیں اختیار ہے کہ میرا جو سچ ہے وہ تمہارا سچ نہ ہو... اور میں تم سے جواب نہیں مانگوں گی.. صرف یہ ہے کہ اگر سری لنکا سے واپسی پر... تم ایئرپورٹ پر موجود ہوئے تو... میں ڈاکٹر ہاشم کو انکار کر دوں گی..."

آخری بار پھڑپھڑا کر لالٹین کی بتی بجھ گئی.. لیکن سنوپا کے ساتوں آسمان چھت تک جاتے ہوئے ایک ہلکی نیلاہٹ میں گھلتے جا رہے تھے..

خیمہ ہوا کے شر لاٹے بھرتے تیز و تند بگولوں کی گرفت میں آیا ہوا' ایک جال میں جکڑے پرندے کی طرح بے بس اور بے حساب پھڑپھڑاتا تھا..

اس کی پھڑپھڑاہٹ مسلسل تھی اور سانس نہ لیتی تھی..

وہ ایک جل مرغی تھا جس کے پنجے ایک ڈور سے جکڑے ہوئے تھے اور وہ پھڑپھڑاتا تھا کہ میں اس سے چھوٹ جاؤں..

ان ہواؤں کے دباؤ سے خیمے کا کپڑا اچکتا تھا.. اور پھولتا تھا.. اس کی چھت ہوا کے بوجھ سے نیچے آتی تھی اور خاور اپنے سلیپنگ بیگ میں لیٹا دونوں ہاتھ بلند کئے اسے سہارتا اپنے اوپر گرنے سے بچاتا تھا..

باہر کہرام برپا تھا..

فہیم کی دیگچیاں اور برتن... سرور کی پرات.. اڑتے پھرتے تھے... گرتے تھے اور پھر لڑھکتے ہوئے کسی سخت شے سے ٹکرا کر چیخنے لگتے تھے... الاؤ کی جلی بجھی ٹہنیاں ہوا کے زور سے گھومتی ہوئی خیمے کے پردے سے ٹکراتی تھیں..

ہوا کے بے لگام بگولے خیمے کو لیک ناتواں جھاڑی کی مانند جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے تھے..
خیمے کی کچھ میخیں ریت میں سے باہر آچکی تھیں.. ریت میں میخ اگرچہ گہرائی تک اتر جاتی ہے مگر اس کی پکڑ میں گرفت نہیں ہوتی... اور خیمے کے فلیپ دوہرے ہو کر بے تاب دستکیں دیتے تھے.. ریت پر اپنے ہاتھ مارتے تھے اور کبھی پردے پر تیز بارش کی طرح برستے تھے..

اُس رات میں پہلے تو نہ ہوا تھی اور نہ کوئی سرگوشی.. سوائے سندھ کے بہاؤ کے..
انڈس کوئین کو رخصت کر کے خاور اپنے خیمے میں آکر لیٹ گیا تھا.. اور اس لمحے اتنی خاموشی اور ایسا ٹھہراؤ تھا کہ خیمے سے دور کنارے کے ساتھ لنگر انداز کشتی کے فرش پر اپنا جبڑا کھولے لیٹی پکھی کے خراٹے بھی سنائی دیتے تھے.. نہ ہوا تھی اور نہ کوئی سرگوشی.. سوائے سندھ کے بہاؤ کے.. اور سندھ سائیں ایک بوڑھی عورت کے چرخے کی طرح بہت مدھم رُوں رُوں کرتا بہتا تھا..

انڈس کوئین کو رخصت کر کے وہ اپنے خیمے کی علیحدگی اور تنہائی میں یہ حساب کرتا رہا کہ آج کیا تاریخ ہے اور سلطانہ کتنے روز بعد کولمبو سے واپس آئے گی اور اسلام آباد ایئرپورٹ کے لاؤنج میں سے باہر آرہی ہوگی..

اور کیا وہ اقرار ایک وقتی ابال تھا.. اس ایک لمحے کی طرح جب وہ اس کی جیب کی رقم کا حساب مانگتی تھی اور بعد میں شرمندگی اور شک سے دوچار ہوتی تھی... ایک عارضی اور جذباتی لاوا تھا جس نے وقت کی ڈھلوان پر بہتے ہوئے کچھ دیر بعد ٹھنڈا ہو جانا تھا..
لگاؤ میں کتنی گہرائی تھی...

واپسی کا سفر بہاؤ کے ساتھ تھا اور وہ ایک دو روز میں غازی گھاٹ پہنچ سکتے تھے..
اور وہاں سے اسلام آباد... لیکن یہ بھی عین ممکن تھا اس کی خصلت سے مطابقت رکھتا تھا کہ وہ واپس آئے تو پھر سے ٹھنڈی اور لاتعلق ہو.. سب کچھ بھول چکی ہو... اسے یاد دلایا جائے تو وہ کہہ دے کہ میں تو اس لمحے میں سٹوپا کے سات آسمانوں تلے لالٹین کی روشنی میں.. وہاں تھی ہی نہیں.. اس کا تذکرہ مت کرو.. تو پھر کیا ہوگا..
وہ اکثر وہاں نہیں ہوتی تھی جہاں وہ ہوتی تھی..

کروٹیں بدلتے، سلیپنگ بیگ میں کروٹیں بدلتے سندھ کی مدھم رُوں رُوں کی آہستگی نیند کا ہزار پایہ لے آئی جو اس پر غالب آتا گیا.. اس نیند کے اندر کہیں اس کی سنڈی

کے بک شیلف کے پیچھے سے دیوار اور کتابیں مسمار کرتا بل ڈوزر کا بلیڈ نمودار ہوتا ہے اور وہ اسے اپنے دونوں ہاتھوں سے روکنے کی کوشش کر رہا ہے.. اپنا پورا زور لگا رہا ہے.. بل ڈوزر بھی ایک بُل کی مانند بے پناہ قوت اپنے آہنی بدن میں رکھتا ہے اور وہ ایک ناتواں بل فائٹر کی مانند اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھے.. اسے پیچھے دھکیلنے.. اپنی ذات کے نہاں خانے سٹڈی کو بچانے کی تگ ودو میں ہے..

یہ کشمکش جاری تھی جب سکوت ٹوٹا اور باہر ایک سرسراہٹ کا آغاز ہوا جو لمحوں میں شرلاٹے بھرتی تیز ہواؤں میں بدلی اور اس کا خیمہ پھڑ پھڑانے لگا.. رات کا جانے کونسا پہر تھا.. خیمہ جیسے پہلے آب رواں پر خاموشی سے بہتا تھا اور اب کسی سمندری طوفان کی زد میں آ کر دباؤ کی شدت نہیں سہار تا تھا اور ایک ٹین کی مانند پچکتا تھا... پہلے تو وہ اس یک لخت موسمی تغیر سے لطف اندوز ہوا... آوازوں اور مہیب شرلاٹوں کو غور سے سنتا سلیپنگ بیگ میں لیٹا آنکھیں کھولے تبدیلی کے عمل کو غور سے سنتا رہا.. پھر ان میں کسی ناگہانی المیے کی صداؤں کا عنصر جنم لینے لگا.. ان سے خوف آنے لگا..

خیمہ اس کے دونوں ہاتھوں سے سنبھلتا نہ تھا.. وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور بازو سیدھے کر کے خیمے کے پچکتے اور ہوا کے دباؤ سے مجبور ہو کر ڈھے جانے کے قریب وجود کو سہارا دینے کی کوشش کرنے لگا... خیمے کا میخوں سے آزاد کپڑا اس کے ماتھے سے ٹکرا کر چہرے سے چمٹتا تھا..

باہر.. دیگچیاں اور پراتیں اور چائے کے مگ اڑتے پھرتے تھے' رسّوں سے بندھی کشتی بار بار کنارے سے ٹکراتی تھی اور اتنی شدت سے ٹکراتی تھی کہ اس کی دھمک ریت میں جذب ہو کر خیمے کے اندر اس کے بدن تک پہنچتی تھی اور اس سے ٹکراتی تھی..

سرور اور ماماں جعفر بھاگتے پھرتے تھے.. وہ کشتی کے آزاد ہو کر سندھ میں کھو جانے سے خوفزدہ ایک دوسرے کو گالیاں دیتے شور مچا رہے تھے.. فہیم کی آواز بھی آتی تھی.. ہوا کی شدت میں کمی نہیں آ رہی تھی..

"پلیز کم ان..."

ساتویں منزل پر ایک طویل اور خاموش راہداری کے آخر میں وہ فلیٹ تھا جس کی

کال بیل بہت دیر وہاں کھڑے رہنے کے بعد' تذبذب اور فیصلہ نہ کر سکنے کی اذیت کے بعد.. خاور نے بجائی تھی...

ایئرپورٹ سے وہ سیدھا جناح ہو سپٹل پہنچا تھا.. اسے کچھ کچھ یاد پڑتا تھا کہ ٹیلیفون پر آخری بار گفتگو کرتے ہوئے جب کہ اس کی آواز ایک بھراہٹ میں بدل چکی تھی' اس نے شاید جناح ہو سپٹل کا نام ہی لیا تھا.. یا کوئی اور پرائیویٹ ہو سپٹل تھا جہاں سے وہ بول رہی تھی اسے ٹھیک طرح سے یاد نہیں آ رہا تھا.. اس کی آواز اتنی لاغر اور خرخراہٹ والی تھی کہ فقرے سمجھ میں نہ آتے تھے۔

استقبالیہ کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھی تھکاوٹ میں ڈوبی مکانکی مسکراہٹ والی سسٹر نے نہایت اہتمام سے پرائیویٹ کمروں میں داخل مریضوں کی فہرست چیک کی.. دوبارہ دھیان سے چیک کی اور سر ہلایا "آئی ایم سوری لیکن... نہیں سر... مسز عابدہ سومرو کے نام کی کوئی پیشنٹ یہاں ایڈمٹ نہیں ہے.."

"ایسا تو نہیں ہے کہ... میرا مطلب ہے.. ان کی حالت اچھی نہیں تھی تو.."

سسٹر نے ایک اور رجسٹر اٹھا کر اس پر ایک سرسری نظر ڈالی "نہیں سر... ان دو چار دنوں میں اس نام کی کوئی ڈیتھ بھی نہیں ہوئی..."

"آ... کین آئی میک اے کال پلیز.. اے لوکل کال.."

"پلیز گو اہیڈ.."

سسٹر نے فون اٹھا کر کاؤنٹر پر رکھ دیا..

عابدہ کے کمرے سے کوئی جواب نہیں آ رہا تھا.. ظاہر ہے وہ وہاں موجود نہیں تھی..

اسے اپنی شدید ابتر طبیعت اور حماقت کا احساس ہوا... یوں منہ اٹھا کر کراچی چلے آنے سے پیشتر اسے کسی نے کسی طور چیک تو کر لینا چاہئے تھا کہ وہ کہاں اور کس ہو سپٹل میں ایڈمٹ ہے... وہ اپنے آپ کو کوستا ہو سپٹل سے باہر آ رہا تھا جب اسے ساتویں منزل پر واقع اس فلیٹ کا خیال آیا جس کی کھڑکی کی چوکھٹ پر سورج تادیر انکار رہا تھا.. لیکن وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ جس رہائشی کو مپلیکس میں وہ فلیٹ واقع ہے وہ کہاں ہے.. سوائے اس کے کہ اس کی کھڑکی کا رخ سمندر کی جانب ہے..

ایک ٹیکسی پر سوار ہو کر اس نے ایک بظاہر بے مقصد اور طویل سفر کیا.. درجنوں بلکہ سینکڑوں ایسی عمارتوں کو جانچا جو ساحل کے ساتھ ساتھ چلی جاتی تھیں.. بار بار اترا.. ہر بلڈنگ کو پہچاننے کی سعی کی۔ اس کے محل وقوع کا اندازہ کیا.. کسی سے پوچھا بھی نہیں جا سکتا تھا اور کیا پوچھتا... اور یہ محض اتفاق تھا کہ ٹیکسی کی ونڈ سکرین کے سامنے "ہیپی ٹوڈلرز نرسری" کا بورڈ آیا اور گزر گیا... اسی نرسری کے سامنے وہ عمارت تھی..

"پلیز کم ان..."

دروازہ اندر سے مقفل نہیں تھا..

"آئی ایم سوری بٹ... میرا نام خاور ہے اور میں اسلام آباد سے آیا ہوں... اور عابدہ..."

"میں آپ کو جانتی ہوں.. آپ اندر آجائیں۔"

یہ وہی فلیٹ تھا جس کے اندر داخل ہونے پر اسے محسوس ہوا تھا کہ اس کے مکین کی سانسیں ابھی تک وہاں موجود تھیں.. یہی مکین تھی جو اس کے سامنے کھڑی تھی..

سندھ کا ایک چھڑکاؤ.. ڈیکور مغربی.. پلنگ کے سرہانے ایک سکوت میں آیا ہوا چوبی مور... اور ماند پڑتے ہوئے سات آئینے..

"میں آپ کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں.. میں عابدہ کے بہت نزدیک ہوں.. اس کی کوئی بات زندگی کا کوئی بھی رُخ مجھ سے چھپا نہیں ہوا۔ اس لئے میں آپ کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں.. میرا نام شہلا آفریدی ہے..."

وہ ایک نہایت نپی تلی اور ہر شے سے آگاہ اور سنجیدہ شخصیت کی مالک عورت تھی.. خاور کو دیکھ کر اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں ابھرا.. سپاٹ رہا.. جیسے کسی پتھر کو سامنے پایا ہو.. وہ دیکھ سکتا تھا کہ اس کے لئے وہ کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ اس کے لہجے میں سے کہیں کہیں ناپسندیدگی کا عنصر جھلکتا تھا...

"پلیز میک یور سیلف کمفرٹ ایبل..."

"تھینک یو" وہ جھجکتا ہوا صوفے پر بیٹھ گیا "عابدہ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے..." نہایت سرد لہجے میں اس نے کہا اور پھر اس کے سامنے سندھی

جھولے پر بیٹھ کر جھولنے لگی۔ ''آپ ایک ادھیڑ عمر کے مرد ہیں آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا...''

''جی...''

''اگر ایک نوجوان لڑکی جسے اپنے حواس پر اختیار نہیں آپ سے رابطہ کرتی ہے' آپ سے محبت کا اظہار کرتی ہے تو آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ آپ اس کے لائق نہیں اور آپ کو پیچھے ہٹ جانا چاہئے تھا..''

''جی.. شاید ایسا ہی ہونا چاہئے تھا اور میں نے.. اس کی طبیعت کیسی ہے' میں صرف اس کا حال جاننے کے لئے یہاں آیا ہوں..''

''میں آپ کے لئے کافی بنا کر لا سکتی ہوں...''

''جی نہیں' شکریہ''

''عابدہ ایک کامپلیکسڈ چائلڈ ہے..'' وہ اپنے ننگے پاؤں سے قالین پر دباؤ ڈال کر جھولے کو جھلانے لگی۔ ''یہ آپ کے لئے ایک شاک ہوگا لیکن وہ مکمل طور پر صحت مند ہے.. اسے کوئی بیماری نہیں.. لیکن اس کے کچھ واہمے ہیں... اور وہ سمجھتی ہے اور ان لمحوں میں تہہ دل سے یہ سمجھتی ہے' جھوٹ نہیں بولتی کہ.. وہ طرح طرح کی خوفناک بیماریوں کا شکار ہے.. مر رہی ہے اور کوئی اس سے محبت نہیں کرتا' پرواہ نہیں کرتا... یہ اس کے نفسیاتی عارضے ہیں جن سے میں بخوبی واقف ہوں... کیا آپ کو بھی اس نے اپنی عزیز ترین سہیلی کی موت کے بارے میں بتایا تھا.. بتایا ہوگا.. وہ میں ہوں.. میرا کوئی حادثہ نہیں ہوا۔ مجھے کچھ بھی نہیں ہوا لیکن وہ ایک مکمل وار فگی میں چلی جاتی ہے اور یقین کر لیتی ہے کہ ایسا ہو گیا ہے... میری لاش کو دیکھتی ہے' اس پر رو رو کر ہلکان ہو جاتی ہے' شدت غم سے بیمار پڑ جاتی ہے.. بے ہوش ہو جاتی ہے.. مجھے دفن کر آتی ہے.. ایسے لوگوں کے ساتھ اپنے تعلقات کی تفصیل بتاتی ہے جن سے وہ کبھی ملی بھی نہیں ہوتی... ایسی انٹرنیشنل یونیورسٹیوں میں پڑھ چکی ہوتی ہے جن کے نصاب سے بھی وہ واقف نہیں ہوتی... اسے البتہ دنیا کے بڑے بڑے ہسپتالوں اور مشہور ڈاکٹروں کے ناموں کا پتا ہے.. اور کبھی کبھار وہ کسی ایسے شخص کے عشق میں بری طرح مبتلا ہو جاتی ہے جسے اس نے کبھی ٹیلی ویژن پر دیکھ لیا ہو.. کسی اخبار میں اس کی تصویر نظروں سے گزر گئی ہو.. مجھے آپ سے یہی شکایت ہے کہ آپ نے اپنی عمر کو نہیں

دیکھااور مردانہ انا پرستی کے زعم میں اس کی باتوں پر یقین کر لیا.."

یہ عورت... سندھی جھولے پر آہستہ آہستہ جھولتی ہوئی.. نپی تلی.. ہر شے سے آگاہ جو کچھ کہہ رہی ہے کیا یہ حقیقت ہے.. یا یہ خود کوئی نفسیاتی مریضہ ہے جس کے اپنے کچھ واہمے ہیں... کیا پتا عابدہ ایک حقیقت ہو جسے یہ ایک واہمہ بنا کر پیش کر رہی ہے..

"اس کے پورے بدن پر نیلے دھبے اور کھرینڈ تھے... وہ تو واہمہ نہیں.."

"نہیں.. وہ ایک عام سکن الرجی کے آثار ہیں' اس کے سوا کچھ بھی نہیں..."

"وہ کسی بھی ایسے مرد کے عشق میں مبتلا ہو جاتی تھی جو..."

"ہاں..."

"اور مرد بھی تھے؟"

"ہاں..."

"آپ اس کی نفسیاتی کمزوریوں سے آگاہ تھیں اور اس کے باوجود آپ نے یہ فلیٹ اس کے سپرد کر دیا..."

"میں کر بھی کیا سکتی تھی.. وہ واقعی ان وقتوں میں آپ کی شخصیت میں پوری طرح الجھ چکی تھی.. آپ کے عشق میں اس بری طرح سے گرفتار تھی کہ اپنے خاوند اور بیٹی کو بھی چھوڑ دینا چاہتی تھی.. میں جانتی تھی کہ یہ ایک عارضی پڑاؤ ہے' وہ زیادہ دیر یہاں قیام نہیں کرے گی.. میں اس کے ساتھ بحث نہیں کر سکتی تھی' اسے روک نہیں سکتی تھی کہ ان وقتوں میں وہ واقعی مکمل طور پر آپ کے ساتھ کومڈ تھی اور اگر میں یہ فلیٹ آپ دونوں کے لئے خالی نہ کرتی تو میں اسے کھو دیتی... اور وہ اتنی پیاری اور عزیز چیز ہے اور اتنی معصوم ہے کہ میں اسے کھونا نہیں چاہتی تھی... میں آپ کے لئے کافی بنا کر لا سکتی ہوں.."

"نو تھینکس..."

سورج ذرا نیچے ہوا اور شیشے کی کھڑکی کے کنارے پر اٹک کر پورے فلیٹ کو چکا چوند کر دیا.. ایک سمندری پرندہ آہستگی سے پر ہلاتا سرخ گولے میں داخل ہوا.. تادیر اس میں ہولے ہولے پرواز کرتا رہا اور پھر نکل گیا.. عشق کا سرسبز ذخیرہ ویران تھا.. اس میں نہ کوئی مور بولتا تھا اور نہ جگن کے ساتھ چمن میں بچھے پلنگ پر کوئی گلے لگ کر سوتا تھا...

"وہ کہاں ہے؟"